تفہیمِ حدیث میں نحوی وجوہ سے استفادہ: بذل المجہود کا اختصاصی کا مطالعہ

(Use of Syntactic descriptions in Understanding the Ḥadīth: A Study of *Badhl al-Majhūd*)

Dr. Muhammad Haroon

Lecturer, Department of Islamic and Arabic Studies, University of Sargodha, Sargodha

Dr. Hamid Farooq Bukhari

Lecturer, Department of Islamic Studies, University of Gujrat, Gujrat

Muhammad Fayyaz

M Phil Candidate, Department of Islamic Culture and Comparative Religions, University of Sindh, Jamshoro

Abstract

Commentators of *Ḥadīth* discuss syntactic issues while interpreting Prophetic traditions. The present article is an attempt to study the use of syntactic descriptions in Ḥadīth commentary named *Badhl al-Majhūd* by an Indian *Ḥadīth* expert *Khalīl Ahmad Sahāranpūrī*. It finds that *Sahāranpūrī* has given detailed explanation of Prophetic traditions in the light of *'Ilm al-Naḥw* (syntax). He uses Qur'ānic verses to argue for syntactic explanations. While discussing the relevant issues he sometime says in the end: "I say" and sometime: "This is the correct one." He also mentions the different meanings of the related words. His syntactic explanations have makes the words of the relevant traditions easier for the readers to understand.

Key words: *Ḥadīth*, understanding, *Syntax, Badhl al-Majhūd*

تمہید

عربی زبان کے قواعد و اصول اور الفاظ کی اعرابی کیفیت کے بیان کو اصطلاح میں " علم النحو " کہا جاتا ہے۔ اس علم کی مدد سے قرآن کریم اور حدیث پاک کے صحیح مفہوم تک رسائی ممکن ہوتی ہے۔ قرآن و حدیث میں بہت سارے مقامات ایسے ہیں کہ اگر نحوی وجوہ ذہن نشین نہ ہوں تو انسان صحیح مفہوم تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مفسرین ، محدثین اور شارحینِ کتبِ حدیث ،قرآن وحدیث کی تفہیم کے لیے نحوی وجوہ سے استفادہ کرتے نظر آتے ہیں۔ دیگر شارحینِ حدیث کی طرح بر صغیر کے نام ور محدث مولانا خلیل احمد سہارن پوری (م1346ھ) نے بھی سنن ابی داؤد کی شرح " بذل المجہود فی حل سنن ابی داؤد" میں نحوی وجوہ سے استفادہ کیا ہے ،زیرِ نظر سطور میں مولانا سہارن پوری کی اسی کوشش کو منصہ شہود پر لانے کی سعی کی جارہی ہے۔

حرف "لولا "

کتاب الطہارۃ کے باب السواک کی ایک روایت ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، يَرْفَعُهُ، قَالَ:لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، لَأَمَرْتُهُمْ بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ، وَبِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ[1] " نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر مجھے مومنین پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں انھیں عشا کی نماز کو تاخیر کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیتا اور ہر نماز پر مسواک کو ضروری قرار دیتا۔"اس حدیث میں آنے والے لفظ "لولا" کے بارے میں مولانا سہارنپوری لکھتے ہیں:

> لولا خوف المشقة ،لاوجبت علیهم السواک ،فلفظة "لولا" لامتناع الثانی لوجود الاول ،فاذا ثبت وجود الاول ،وهو خوف المشقة هاهنا ثبت امتناع الثانی ،وهو وجوب السواک [2]
>
> حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مجھے مشقت کا خوف نہ ہوتا تو میں مسواک کو واجب قرار دیتا،اور لفظ "لولا" امتناع ثانی بسبب وجود اول کے لیے آتا ہے [3]، پس جب اول کا وجود ثابت ہوگیا اور وہ مشقت کا خوف ہے، تو دوسرے کا امتناع بھی ثابت ہو گیا اور وہ مسواک کا وجوب ہے،مشقت کی وجہ سے مسواک کا وجوب ختم کر دیا گیا۔

---

[1] ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی، سنن ابی داؤد،کتاب الطہارۃ، باب السواک، رقم الحدیث 46۔

[2] مولانا خلیل احمد سہارن پوری، بذل المجہود فی حل سنن ابی داؤد، تحقیق: تقی الدین ندوی (بیروت: دار البشائر الاسلامیہ ،الطبعۃ الاولی،1426ھ)،1:316۔

[3] اس لفظ کی توضیح یہ ہے کہ لفظ "لولا" کے بعد دو جملے ذکر کیے جاتے ہیں، پہلے جملے میں آنے والے حکم کے سبب دوسرے جملے کا حکم ممتنع ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث مذکور میں اس کی مثال واضح ہے۔ امت پر مشقت کا ہونا پہلے جملے میں مذکور ہے اور مسواک کا حکم دوسرے جملے میں ہے، چونکہ اس حکم میں مشقت تھی اس لیے ہر نماز پر مسواک کے وجوب کا حکم نہیں دیا گیا۔

نحوی توجیہ اور قرآنی آیت سے استدلال

کبھی کبھی حدیث میں آنے والے لفظ کی نحوی توجیہ کرتے ہوئے قرآنی آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں، اس کی مثال کتاب الصلاۃ کے باب مایقول اذا سمع الاقامۃ کی اس روایت سے ملتی ہے، جس کے راوی حضرت ابو امام رضی اللہ عنہ ہیں: عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، أَوْ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ بِلَالًا أَخَذَ فِي الْإِقَامَةِ، فَلَمَّا أَنْ قَالَ: قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ[4] "حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اقامت شروع کرنے لگے، جب وہ قد قامت الصلاۃ پر پہنچے۔"

اس حدیث میں آنے والے لفظ "اَن قال" میں "اَن" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال القاری: والاظهر ان (لما) ظرفية،و(ان)زائدة للتاكيد،كما قال الله تعالى: فلما ان جآء البشير،كما قال صاحب الكشاف وغيره فى قوله تعالىٰ: ولما ان جآءت رسلنا لوطا سىء بهم [5]" ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ لفظ "لما" ظرفیت کے معنی میں ہے اور لفظ "اَن" زائدہ ہے جب کہ مذکورہ مقام میں زائدہ ہو کر تاکید کے لیے ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: فلما اَن جآء البشیر، میں لفظ "اَن" زائد ہے، اسی طرح صاحب کشاف وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ولما ان جآءت رسلنا لوطا سیء بھم میں آنے والے لفظ "اَن" کے بارے میں بھی یہی تفصیل لکھی ہے کہ یہاں لفظ "اَن" زائدہ تو ہے لیکن یہ تاکید کے لیے ہے۔" مثال مذکور میں لفظ "اَن" کی وضاحت کرتے ہوئے قرآنی آیت کو بطور دلیل کے بھی پیش کیا گیا ہے۔

الفاظ کے اعراب کی وضاحت

کبھی کبھی حدیث میں آنے والے الفاظ پر اعراب کی کیفیت کی وضاحت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر کتاب الاشربۃ کے باب فی الساقی متی یشرب؟ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت [6]میں آنے والے لفظ " الایمن فالایمن " کے اعراب کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الايمن فالايمن بالرفع او النصب ،بتقدير المبتداءا والخبر،او بتقدير الفعل [7] " الایمن فالایمن کے آخر پر رفع اور نصب دونوں پڑھ سکتے ہیں، رفع پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ یا تو مبتداء ہے یا خبر، اور نصب مفعول کی وجہ سے ہے، اور نصب دینے والا فعل مقدر ہے۔"

---

[4] سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب مایقول اذا سمع الاقامۃ، رقم الحدیث: 526۔

[5] سہارنپوری، بذل المجہود، 3:338۔

[6] پوری روایت کے الفاظ یہ ہیں: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِلَبَنٍ قَدْ شِيبَ بِمَاءٍ وَعَنْ يَمِينِهِ أَعْرَابِيٌّ، وَعَنْ يَسَارِهِ أَبُو بَكْرٍ، فَشَرِبَ، ثُمَّ أَعْطَى الْأَعْرَابِيَّ وَقَالَ: «الْأَيْمَنَ فَالْأَيْمَنَ»(ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الاشربۃ، باب فی الساقی متی یشرب؟، رقم الحدیث 3726۔

[7] سہارنپوری، بذل المجہود، 11:456۔

لفظ "لو" کی جزاء کا تذکرہ

بسا اوقات حدیث میں ایسے الفاظ آتے ہیں کہ نحوی نکتہ نگاہ سے ان کی مراد کو جاننے کے لیے ایک محذوف جملہ کی ضرورت ہوتی ہے،اور یہ محذوف جملہ اس لفظ کا تقاضا ہوتا ہے، مولانا سہارن پوری ایسے مقامات پر حدیث کے مفہوم کو قابلِ فہم بنانے کے لیے محذوف جملہ کی بھی وضاحت کر دیتے ہیں۔ اس کی مثال کتاب الجہاد کے باب فی الطاعۃ کی اس روایت سے ملتی ہے جس میں ہے: لَوْ رَأَيْتَ مَا لَامَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[8] "اگر آپ دیکھ لیتے جو ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ملامت کی۔" حدیث مذکور کے اس حصے میں لفظ "لو" استعمال ہوا ہے، مولانا سہارنپوری اس لفظ کی نحوی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وجزاء "لو" محذوف ،ای: لورایت مالامنا رسول اللهﷺ علی عجزنا وتقصیرنا فی ترک التامیر لرایت امرا عجیبا[9] " "لفظ "لو" کی جزا محذوف ہے ،یعنی اگر آپ اس ملامت کو دیکھ لیتے جو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ترکِ امیر سے کوتاہی اور عاجز آنے پر کی ،تو آپ ایک بہت عجیب معاملہ دیکھتے"۔خلاصہ کلام یہ کہ حرف لو کی جزا محذوف تھی جسے مولانا سہارن پوری نے واضح کر دیا اور وہ ہے: لرایت امرا عجیبا۔

ایک جملے میں متعدد نحوی وجوہ اور ان کی تشریح

بسا اوقات حدیث میں آنے والے جملے میں نحوی اعتبار سے کئی احتمالات ہوتے ہیں ، مولانا سہارنپوری ان احتمالات کی بھی وضاحت کرتے ہیں،اور ایسے مقامات میں عام طور پر "یحتمل " کا لفظ بولتے ہیں۔اس کی مثال کتاب الطلاق کے باب احداد المتوفی عنھا زوجھا کی روایت سے ملتی ہے، جس میں ہے : فَدَعَتْ بِطِيبٍ فِيهِ صُفْرَةٌ خَلُوقٌ أَوْ غَيْرُهُ[10] مولانا سہارن پوری اس جملے کی ترکیبی حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: يحتمل: ان يكون لفظ " خلوق" ولفظ "غيره" مرفوعان بدلا من صفرة ،۔۔۔ولفظ "غيره" عطف على خلوق۔ويحتمل : ان يكون لفظ صفرة مضافا الى خلوق،ولفظ غيره عطف عليه مجرور،ويحتمل: ان يكون خلوق بدلا من طيب ،فعلى هذا معنى الكلام : فدعت بطيب فيه صفرة۔ [11] "اس جملے میں آنے والے لفظ "خلوق "اور "غیرہ "کے بارے میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ :دونوں مرفوع ہوں،اور مرفوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ" خلوق" بدل بنے اپنے پیچھے آنے والے لفظ "صفرۃ" سے۔ پھر لفظ "غیرہ" لفظ خلوق پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ لفظ خلوق مجرور ہو اور مجرور ہونے کہ وجہ یہ ہے کہ لفظ خلوق مضاف الیہ ہے اور

---

[8] ابو داوٗد، سنن ابی داوٗد، کتاب الجہاد، باب فی الطاعۃ، رقم الحدیث 2627۔

[9] سہارنپوری، بذل المجہود،9:221۔

[10] ابو داوٗد، سنن ابی داوٗد، کتاب الطلاق، باب احداد المتوفی عنھا زوجھا، رقم الحدیث: 2299۔

[11] سہارنپوری، بذل المجہود،8:390۔

صفرۃ مضاف ہے، پھر لفظ غیرہ کا عطف ہے لفظ خلوق پر، اس بناپر لفظ غیرہ بھی مجرور پڑھا جائے گا۔ ایک تیسرا احتمال بھی ہے وہ یہ کہ لفظ خلوق مجرور ہی پڑھا جائے لیکن وجہ مضاف الیہ ہونا نہیں، بلکہ وجہ یہ ہے کہ یہ بدل ہے اپنے سے پہلے آنے والے لفظ "بطیّب" سے۔ اور بطیّب چونکہ مجرور ہے تو اس کا بدل بھی مجرور ہوگا، اور لفظ غیرہ عطف کی بناء پر مجرور پڑھا جائے گا۔ اس وقت اس کا معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے ایسی خوشبو منگوائی جس میں صفرۃ تھا۔" یوں مولانا سہارن پوری نے مثال مذکور میں نحوی وجوہ واحتمالات کا تذکرہ کیا تو وہیں اس کی معنی کی بھی وضاحت کر دی۔

نحوی وجہ کے تذکرہ کے بعد نحوی مثال

کبھی کبھی تشریح حدیث کے دوران کسی نحوی ترکیب کے بعد اس کی نحوی مثال بھی پیش کر دیتے ہیں، جس سے حدیث پاک میں آنے والے جملے کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال کتاب الطہارۃ کے باب ماینجس الماء کی اس روایت سے ملتی ہے جس میں ہے: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَاءِ وَمَا يَنُوبُهُ[12] "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ سے پانی اور اس کے قائم مقام کے بارے میں پوچھا گیا۔" اس حدیث میں آنے والے جملے "عن الماء وما ينوبه" کی تشریح کرتے ہوئے مولانا سہارنپوری لکھتے ہیں: عطف علی الماء علی سبیل البیان[13] "اس جملے میں جو عطف ہوا ہے، اس کا تعلق عطف بیان سے ہے۔ "واو کے آ جانے کے بعد چونکہ جملہ عاطفہ بن جاتا ہے، اور عطف بھی کئی قسم کا ہوتا ہے اس لیے اس عطف کی بھی وضاحت کر دی کہ یہاں عطف سے مراد عطف بیان ہے۔ پھر چونکہ عطف بیان اتنی معروف اصطلاح نہیں تھی اس لیے مولانا سہارنپوری نے اس کی ایک نحوی مثال بھی ذکر کر دی جس سے قاری کو عطف بیان کی سمجھ آ جاتی ہے، چنانچہ عطف بیان کی مثال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: نحو اعجبنی زید وکرمه۔[14] "مجھے زید اور اس کے کرم نے تعجب میں ڈال دیا۔ "اس مثال سے عطف بیان کی تعریف بھی سمجھ میں آ رہی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ عطف بیان میں معطوف اور معطوف علیہ دونوں ایک ہی چیزیں ہوتی ہیں، البتہ عطف سے مقصود معطوف علیہ کی کسی خاص صفت کا تذکرہ کرنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا سہارنپوری نے عطف بیان کی تعریف کی بجائے محض مثال بیان کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے، لیکن بہتر ہوتا کہ عطف بیان کی مختصر سی وضاحت بھی ہو جاتی تاکہ وہ قاری جو نحوی اصطلاحات سے واقف نہیں ہے اس کے لیے بھی بات سمجھنا آسان ہو جاتا۔

مختلف توجیہات میں قرآنی آیت اور نحوی مثال سے استدلال

---

[12] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب ماینجس الماء، رقم الحدیث: 63۔

[13] سہارنپوری، بذل المجہود، 1: 377۔

[14] سہارنپوری، بذل المجہود، 1: 377۔

بسا اوقات حدیث کی تشریح میں نحوی ترکیب میں مختلف توجیہات کا تذکرہ کرتے ہیں اور پھر ہر توجیہ کے اعتبار سے جو معنی بنتا ہے اسے بیان کرتے ہوئے قرآنی آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں، اس کی مثال کتاب الطہارۃ کے باب البول فی الماء الراکد کی اس روایت سے ملتی ہے، جس کے مطابق: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ[15] "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی بھی کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے، کہ پھر اسی سے غسل کر بیٹھے"۔ مولانا سہارنپوری نے اس حدیث میں آنے والے جملے کی نحوی اعتبار سے مختلف توجیہات ذکر کی ہیں، لکھتے ہیں: (ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ)الرواية بالرفع اى لا يبل ،ثم هو يغتسل فيه ،فيغتسل خبر لمبتداء محذوف ،عطف الجملة على جملة لا يبولن [16] "یغتسل کو لام کے رفع یعنی پیش کے ساتھ پڑھا جائے گا، یعنی تم میں سے کوئی شخص بھی ایسا نہ کرے کہ کھڑے پانی میں پہلے پیشاب کرے اور پھر اسی پانی سے غسل بھی کر لے۔ لفظ "یغتسل" مبتداء محذوف کی خبر ہو گا، اس صورت میں اس پورے جملے (یَغْتَسِلُ مِنْہُ) کا عطف ہو گا لا یبولن پر"۔ مولانا سہارن پوری نے مذکورہ مقام پر صرف توجیہات پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ہر توجیہ کا ساتھ میں مطلب بھی ذکر کیا ہے ، چنانچہ مذکورہ توجیہ کے اعتبار سے حدیث کے مطلب کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وترتيب الحكم على ذلک يدل على ان الموجب للمنع انه ينجس ،فلا يجوز الاغتسال به ،وتخصيصه بالدائم يفهم منه ان الجارى لا يتنجس الا بالتغير [17] "اس توجیہ کے اعتبار سے حدیث کا مفہوم یہ ہو گا کہ کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے، لہٰذا اس سے غسل کرنا جائز نہ ہو گا، حدیث پاک میں "الماء الدائم" کی تخصیص سے یہ بھی پتہ چل رہا ہے کہ مذکورہ ممانعت صرف کھڑے پانی کے بارے میں ہے، اگر وہ پانی جاری ہو تو پھر نجاست کے گرنے کی وجہ سے ناپاک نہ ہو گا، جب تک کہ اس کا رنگ متغیر نہ ہو جائے۔" اس کے بعد لفظ "ثم" کے بارے میں مختلف احتمالات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وقيل : الظاهر انه عطف على لا يبولن ،ويكون "ثم" مثل الواو فى : لاتاكل السمک وتشرب اللبن ،او مثل الفاء فى قوله تعالىٰ: ولا تطغوا فيه فيحل عليكم غضبى [18] اى لا يكن من احد البول فى الماء الموصوف ،ثم الاغتسال ،فثم استبعادية ،اى بعيد من العاقل ذلک ،اى الجمع بين هذين الامرين [19] "بادی النظر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ "ثم یغتسل

---

[15] ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب البول فی الماء الراکد، رقم الحدیث: 69۔

[16] سہارنپوری، بذل المجہود، 1:402۔

[17] سہارنپوری، بذل المجہود، 1:402۔

[18] طٰہٰ 20:81۔

[19] سہارنپوری، بذل المجہود، 1:402۔

منہ" کا عطف صرف " لا یبولن " پر ہی ہے۔اس صورت میں لفظ "ثم" یا تو واو کے معنی میں ہوگا،اور حدیث کا مطلب اُس جملے کی طرح ہوگا جس میں کہا جاتا ہے: "نہ تو مچھلی کھاؤ اور نہ ہی دودھ پیو" مطلب یہ کہ دونوں کا تعلق ایک ساتھ ہے۔جس وقت مچھلی کھاؤ تو پھر اسی وقت دودھ مت پیو، تو بالکل اسی طرح نہ تم کھڑے پانی میں پیشاب کرو اور نہ ہی پیشاب کرنے کے فورا بعد اسی پانی سے غسل کرو۔ یا پھر لفظ "ثم" فاء کے معنی میں ہوگا جیسا کہ قرآن پاک کی آیت ہے کہ " تم اس بارے میں سرکشی نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر میرا غضب نازل ہو جائے۔"اس صورت معنی یہ ہوگا کہ تم میں سے کوئی شخص ان لوگوں میں سے نہ بنے جو کھڑے پانی میں پیشاب کرنے کے بعد اسی پانی سے غسل کرلے۔ لفظ "ثم" میں تیسرے معنی کا بھی احتمال ہے، وہ یہ کہ " ثم "استبعاد یہ ہے، مطلب یہ کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص کھڑے پانی میں پیشاب کرے اور پھر اسی پانی سے غسل کر بیٹھے، کسی بھی عاقل سے دونوں کاموں کا اکٹھا کرنا بہت بعید ہے۔

مذکورہ مثال میں مولانا سہارن پوری نے حدیث میں آنے والے جملے " ثم یغتسل منہ "میں لفظ "ثم "کے مختلف احتمالات کا تذکرہ کیا ہے اور پھر ہر توجیہ کی تائید میں کسی جگہ عربی محاورہ پیش کیا ہے اور کسی جگہ قرآنی آیت، پھر ہر احتمال کی صورت میں حدیث پاک کے مفہوم کی وضاحت بھی کی ہے۔ (ثم یغتسل منہ) کا عطف "لا یبولن "پر ہے۔"۔اس صورت میں حدیث پاک کا مفہوم یہ ہوگا کہ کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ اس میں نجاست گرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے سو ایسی جگہ پیشاب نہ کیا جائے۔ کیونکہ لفظ "ثم" یہاں حکم کی ترتیب بیان کر رہا ہے۔ پھر "ثم" میں کئی احتمال ہیں :

- پہلا احتمال یہ ہے کہ لفظ "ثم" واو حرف عطف کے معنی میں ہوگا اس صورت میں حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ جس وقت تم میں سے کوئی شخص کھڑے پانی میں پیشاب کرے تو فوراہی غسل نہ کرے۔
- دوسرا احتمال یہ ہے کہ لفظ "ثم" فا حرف عطف کے معنی میں ہو۔اس وقت اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ تم میں سے کوئی شخص ان لوگوں میں سے نہ بنے جو کھڑے پانی میں پیشاب کرنے کے بعد اسی پانی سے غسل کرلے۔ جیسا کہ قرآنی آیت ولا تطغوا فیہ فیحل علیکم غضبی کا مفہوم ہے۔
- تیسرا احتمال یہ ہے کہ لفظ "ثم "استبعاد یہ قرار دیا جائے ،جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی عاقل شخص سے یہ بعید اور ناممکن ہے کہ وہ کسی کھڑے پانی میں غسل کرے اور پھر اسی پانی سے غسل بھی کرلے۔

مولانا سہارن پوری نے اس مقام پر لفظ "ثم "کے تین احتمالات کا ذکر کیا ہے، لیکن اپنی ذاتی رائے کا اظہار نہیں کیا اگر اپنی ذاتی رائے کا اظہار کر دیتے تو قاری کے لے زیادہ دلچسپ ہوتا، کیونکہ کتاب کے اکثر مقامات پر ان کا منہج یہی رہا ہے۔ان کی عبارات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ذاتی رائے پہلی توجیہ کی طرف ہے ، (کہ لفظ "ثم" یہاں حکم کی ترتیب بتارہا ہے)، اس کی وجہ یہ ہے دوسری توجیہ کا ذکر کرتے ہوئے " قیل "کا لفظ استعمال کیا ہے، اور عام طور پر محدثین وفقہاجب قیل کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس کا یہی مطلب سمجھا جاتا ہے کہ یہ قول ضعیف ہے یا اس قول میں وہ وزن نہیں جو باقی اقوال میں ہے۔

نحوی ترکیب کرتے ہوئے ایک شبہ کا ازالہ

کبھی کبھی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ایسے انداز سے نحوی ترکیب کرتے ہیں جس سے قاری کے ذہن میں پیدا ہونے والے شبہات زائل ہو جاتے ہیں۔اس کی مثال کتاب الطہارۃ کے باب الوضوء بفضل طہور المراۃ کی اس روایت سے ملتی ہے: عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ:كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، وَنَحْنُ جُنُبَانِ" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے اس حال میں کہ ہم جنبی ہوتے تھے۔"حدیث مذکور میں آنے والے جملے "كنت اغتسل انا ورسول اللهﷺ" کی نحوی ترکیب کرتے ہوئے مولانا سہارنپوری لکھتے ہیں:عطف على الضمير المتصل فاكد بالمنفصل [20] "اس جملے میں رسول اللہ ﷺ کا عطف ہے اغتسل پر ،اور اغتسل میں انا ضمیر متصل مستتر ہے، لیکن درمیان میں "انا" ضمیر کا آنا محض تاکید کے لیے ہیں،اس ضمیر کا ترجمہ پر کوئی اثر نہیں ہے۔مولانا سہارنپوری نے جملے کی ترکیب کرکے ایک شبہ کا ازالہ کردیا ہے کہ انا ضمیر کا آنا محض تاکید کے لیے ہے،اور عرب میں عام طور پر کسی کام کی پختگی اور اس میں تاکید پیدا کرنے کے لیے ضمیر متصل کی تاکید منفصل کے ساتھ لائی جاتی ہے۔اس ترکیب سے یہ بھی بتادیا کہ بعض اوقات کسی جملے کا عطف ضمیر متصل پر بھی کردیا جاتا اور ایسا عطف بھی جائز ہوتا ہے،جس کی وضاحت مذکورہ حدیث سے ہو رہی ہے۔

نحوی معنی پر اشکال اور اس کا جواب

کبھی کبھی حدیث میں آنے والے لفظ کے نحوی وجوہ کے بیان کرنے کے بعد اس پر اشکال کرکے جواب بھی دیتے ہیں۔اس کی مثال کتاب الطب کے باب کیف الرقی کی اس روایت سے ملتی ہے جس کے مطابق حضرت یزید بن ابی عبید فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر زخم کا گہرا نشان دیکھا،میں نے پوچھا یہ کیا ہوا تھا؟ فرمانے لگے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر سخت چوٹ لگی تھی،مجھے رسول کریم ﷺ کے پاس لایا گیا،آپ ﷺ نے مجھے دم کیا اور زخم پر تین مرتبہ پھونک لگائی،پھر اس وقت سے اب تک مجھے تکلیف نہیں ہوئی۔[21] حدیث مذکور کے بعض الفاظ یہ ہیں: فَمَا اشْتَكَيْتُهَا حَتَّى السَّاعَةِ۔[22] " مجھے اب تک اس زخم کی تکلیف نہیں ہوئی۔" اس جملے میں آنے والے لفظ "حتیٰ" کی وضاحت ایک سوالیہ انداز میں کرکے پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:فان قلت : حتى للغاية ،وحكم ما بعدها خلاف ما قبلها ،فلزم الاشتكاء ساعة حكايته اذهو خلاف النفى [23] "لفظ حتیٰ غایۃ کے لیے آتا ہے اس وقت اس کے مابعد کا حکم ماقبل کے برعکس ہوتا ہے، تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس

---

[20] سہارنپوری، بذل المجہود،1:431۔

[21] ابوداؤد، سنن ابی داؤد،کتاب الطب، باب کیف الرقی، رقم الحدیث: 3894۔

[22] ابوداؤد، سنن ابی داؤد،کتاب الطب، باب کیف الرقی، رقم الحدیث: 3894۔

[23] سہارنپوری، بذل المجہود،11:622۔

وقت سے لے کر اب تک تو تکلیف نہیں ہوئی،البتہ اب تکلیف محسوس کر رہا ہوں، حالانکہ یہ مطلب تو درست نہیں۔ یہ سوال اٹھانے کے بعد خود ہی جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:قلت : الساعة بالنصب على الصحيح فهى للعطف ،فالمعطوف داخل فى المعطوف عليه ،اما فى زيادة : كمات الناس حتى الانبياء،او نقص: كزارك الناس حتى الحجامون ،و(حتى الساعة) من النقص ،اى: مازالت الشكوىٰ موجودة مع النقص حتى الساعة۔ [24]" میرے نزدیک الساعۃ کا لفظ محل نصب میں ہے اور لفظ حتیٰ اس وقت عطف کے لیے ہے،اور قاعدہ ہے کہ معطوف ، معطوف علیہ کے حکم میں داخل ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس وقت سے لے کر اب تک مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ پھر لفظ حتیٰ جب عطف کے لیے استعمال ہو تو اس وقت یا تو اپنے مابعد کے معنی میں زیادتی بتانے کے لیے آتا ہے ، جیسے کہا جاتا ہے : مات الناس حتى الانبياء " تمام لوگ مر گئے ، حتیٰ کہ انبیا علیہم السلام جیسے حضرات بھی " مطلب یہ کہ عام لوگ تو مر ہی گئے لیکن انبیا جیسے عظیم لوگ بھی وفات پاگئے۔ یا نقص یعنی اپنے مابعد میں کمی بتانے کے لیے آتا ہے ، جیسا کہ کہا جاتا ہے : زارک الناس حتى الحجامون "لوگ تیری زیارت کے لیے آئے حتیٰ کہ حجام (پچھنا لگانے والے) بھی ۔ واضح رہے کہ اہل عرب میں پچھنا لگانا ایک معیوب پیشہ سمجھا جاتا تھا،اس لیے ایسے شخص کو لوگ حقیر گردانتے تھے ۔ حدیث مذکور میں لفظ حتیٰ نقص یعنی اپنے مابعد میں کمی بتانے کے لیے استعمال ہوا ہے، لہٰذا اس صورت میں مذکورہ جملے کا مفہوم یہ ہوگا جب اس زخم پر نبی کریم ﷺ نے پھونک لگائی تو اس وقت سے درد میں کمی ہونا شروع ہوئی حتیٰ کہ کم ہوتے ہوتے اب بالکل ہی ختم ہو گئی ہے۔

گویا مولانا سہارنپوری نے لفظ حتیٰ کی توضیح کرتے ہوئے پہلے اس کا معروف معنی بیان کیا کہ لفظ " حتیٰ " بالعموم غایۃ بیان کرنے کے لیے آتا ہے اس وقت اس کے مابعد کا حکم ماقبل کے برعکس ہوتا ہے تو اس صورت میں حدیث پاک کے اس جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ نے جب سے پھونک لگائی ہے اس وقت سے لے کر اب تک تو تکلیف نہیں ہوئی،البتہ اب تکلیف محسوس کر رہا ہوں، حالانکہ یہ مطلب تو درست نہیں۔ پھر اس اشکال کے جواب میں لفظ حتیٰ کے بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں حتیٰ غایۃ کے لیے نہیں ہے بلکہ عطف کے لیے ہے۔جب عطف کے لیے ہو تو اس وقت پھر اس میں دو احتمالات ہوتے ہیں یا تو اپنے مابعد کے معنی میں زیادتی بتانے کے لیے آتا ہے یا کمی۔ حدیث پاک کے مذکورہ جملے میں لفظ حتیٰ عطف کے لیے آیا ہے اور اپنے مابعد میں کمی بتانے کے لیے استعمال ہوا ہے۔اس صورت میں حدیث پاک کے اس جملے کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب اس زخم پر نبی کریم ﷺ نے پھونک لگائی تو اس وقت سے درد میں کمی ہونا شروع ہوئی حتیٰ کہ کم ہوتے ہوتے اب بالکل ہی ختم ہو گئی ہے۔

استفہام انکاری اور تائید میں قرآنی آیات

---

[24] سہارنپوری، بذل المجہود،11:623۔

کبھی کبھی حدیث میں آنے والے جملے کی نحوی تشریح کرتے ہوئے خاص نحوی اصطلاح کا استعمال کرتے ہوئے بطور دلیل کے قرآنی آیات سے بھی استدلال کرتے ہیں۔اس کی مثال کتاب الجنائز کے باب الدعاء للمریض عند العیادۃ کی اس روایت سے ملتی ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " مَنْ عَادَ مَرِيضًا، لَمْ يَحْضُرْ أَجَلُهُ فَقَالَ عِنْدَهُ سَبْعَ مِرَارٍ: أَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيَكَ، إِلَّا عَافَاهُ اللَّهُ مِنْ ذَلِكَ الْمَرَضِ[25] "حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کسی مریض کی عیادت کی، کہ اس پر موت کے آثار نہیں تھے، اور اس نے اس کے پاس سات مرتبہ یہ دعا پڑھی: اے اللہ جو بڑی عظمت والا ہے، عرش عظیم کا مالک ہے، تو اس دعا کی برکت سے اللہ اس مریض کو ضرور شفاء دے گا۔" اس حدیث کے الفاظ " مَنْ عَادَ مَرِيضًا "اور "الا" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کتب علی حاشية النسخة المكتوبة الاحمدية: كان ذكر كلمة الا مبنى على ان التقدير: فلم يقل ذلك الا عافاه الله، او ان كلمة من للاستفهام الانكارى، فيرجع الى معنى النفى، كقوله تعالىٰ: هل جزاء الاحسان الا الاحسان، وقوله تعالىٰ: من ذا الذى يشفع عنده الا باذنه[26] "نسخہ احمدیہ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ اس جگہ لفظ الا کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اس دعا کو پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور مریض کو شفاء عطاء فرمائیں گے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ مَن عاد مریضا کے شروع میں آنے والا لفظ "مَن "استفہام انکاری کے لیے ہو، اس وقت لفظ "مَن" نفی والا معنی دے گا، جس طرح کہ قرآن کریم کی آیت ھل جزاء الاحسان الا الاحسانمیں الا سے پہلے "ھل" نفی کے معنی میں ہے، بالکل اسی طرح حدیث پاک میں آنے والا لفظ مَن بھی نفی کے معنی میں ہو جائے گا۔ اسی طرح ایک اور آیت میں بھی لفظ "مَن "استفہام انکاری کے معنی میں استعمال ہوا ہے مَن ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ، مذکورہ آیت میں لفظ مَن الا سے پہلے آیا ہے اور استفہام انکاری کے طور پر ہے، تو اسی طرح حدیث میں بھی لفظ مَن استفہام انکاری کے لیے ہے۔"

مثال مذکور میں مولانا سہارن پوری نے لفظ" من "کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے کہ مقام مذکور میں یہ لفظ استفہام انکاری کے لیے ہے اور نفی کا معنی بیان کررہا ہے۔ پھر اپنے موقف کی تائید میں قرآن پاک کی دو آیات کو بطور دلیل کے پیش فرما کر اس میں مزید قوت پیدا کر دی ہے۔البتہ ہمارے نزدیک ان میں سے دوسری آیت مَن ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ تو زیادہ بر محل معلوم ہو رہی ہے، کیونکہ اس میں لفظ "من" کے بعد لفظ "الا" استعمال ہوا ہے اور بات بھی اسی بارے میں چل رہی ہے جب کہ دوسری آیت میں لفظ "ھل" کے بعد "الا" آیا ہے۔ اگرچہ اس میں بھی استفہام انکاری والا معنی پایا جار رہا ہے، لیکن وہ آیت موقع کے مطابق معلوم نہیں ہو رہی۔

لفظ "فا" کے بارے نحوی وجوہ اور قرآنی آیت سے استدلال

---

[25] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمریض عند العیادۃ، رقم الحدیث: 3106۔

[26] سہارنپوری، بذل المجہود، 10: 366۔

تشریح حدیث کے دوران کسی حدیث کا معنی سمجھنے کے لیے اہل نحو کی بیان کردہ اصول و ضوابط کی ضرورت پڑتی ہے، مولانا سہارنپوری ایسے مواقع پر تمام تر نحوی تفصیلات کو ذکر کرنے کے بعد حدیث کا معنی بیان کرتے ہیں۔اس کی مثال کتاب الصلاۃ کے باب ماجا فی فضل المشی الی الصلاۃ کی اس روایت سے ملتی ہے: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْأَبْعَدُ فَالْأَبْعَدُ مِنَ الْمَسْجِدِ أَعْظَمُ أَجْرًا[27] "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: جس شخص کا گھر مسجد سے جتنا دور ہو گا اس کے لیے اتنا ہی زیادہ اجر لکھا جائے گا"۔"الابعد فالابعد" کی نحوی تشریح علامہ عینی کی تقریر سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:قال العینی : قال الکرمانی: الفاء فیه للاستمرار ،کما فی قولهم : الامثل فالامثل ،ثم قال بعد نقل قول الکرمانی: قلت: لم یذکر احد من النحاة ان الفاء تجیء لمعنی الاستمرار ،ولکن یمکن ان یکون الفاء ماهنا للترتیب مع تفاوت من بعض الوجوه [28]"علامہ عینی ،علامہ کرمانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:اس جگہ لفظ "فاء" استمرار کے لیے ہے، جیسا کہ الامثل فالامثل میں ہے۔علامہ عینی ،علامہ کرمانی کا قول نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں : میں کہتا ہوں کے کسی بھی نحوی سے یہ بات منقول نہیں کہ لفظ "فا" استمرار کے لیے آتا ہے،البتہ یہ ممکن ہے کہ اس جگہ لفظ "فا" تفاوت مراتب میں ترتیب کے لیے ہو۔"اس کے بعد علامہ زمخشری کے حوالے سے لکھتے ہیں: وقال الزمخشری : للفاء مع الصفات ثلاثة احوال۔احدها: ان تدل علی ترتیب معانیها فی الوجود ،کقوله : الصابح فالغانم فالآئب ،ای الذی صبح فغنم فآب،والثانی : تدل علی ترتیبها فی التفاوت من بعض الوجوه ،نحو قولک: خذ الاکمل فالافضل ،واعمل الاحسن فالاجمل ۔والثالث: ان تدل علی ترتیب موصوفاتها فی ذلک نحو: رحم الله المحلقین فالمقصرین۔وقیل :تجیء الفاء تارة بمعنی ثم،کما فی قوله تعالیٰ : ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما[29] فالفاءات فیها بمعنی ثم لتراخی معطوفاتها ،فعلی هذا یجوز ان یکون الفاء ماهنا بمعنی ثم ،یعنی ابعدهم ای بعدهم مسافة من المسجد[30]"علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ لفظ "فا" کے تین احوال ہیں،ان میں سے پہلی حالت یہ ہے کہ لفظ فا محض ترتیب پر دلالت کرے یعنی جتنی چیزوں کا ذکر لفظ فا کے ذریعے سے ذکر کیا جارہا ہے ،یہ بتلایا جارہا ہے کہ یہ سب چیزیں اسی ترتیب سے ہیں۔مثلا الصابح فالغانم فالآئب مطلب یہ کہ جس شخص نے خیر وعافیت کے ساتھ صبح کی تو وہ غنیمت پانے والا ہے اور رجوع کرنے

---

[27] ابوداؤد، سنن ابی داؤد،کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی فضل المشی الی الصلاہ، رقم الحدیث: 554۔

[28] سہارنپوری، بذل المجہود،3:395۔

[29] المومنون23:14۔

[30] سہارنپوری، بذل المجہود،3:396۔

والا ہے۔ دوسری صورت یہ کہ لفظ فاء مراتب میں تفاوت بیان کرنے کے لیے آئے۔ مثلا خذ الاکمل فالافضل ،واعمل الاحسن فالاجمل "پہلے اکمل کو اختیار کرو پھر افضل کو، پہلے اپنے عمل میں حسن پیدا کرو پھر جمال "۔اس مثال میں لفظ فا مراتب میں فرق بیان کرنے کے لیے آیا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ فاء موصوفات میں ترتیب بیان کرے جیسے رحم اللہ المحلقین فالمقصرین "اللہ تعالیٰ رحم فرمائے حلق کرنے والوں پر پھر قصر کرنے والوں پر "۔لفظ فاء کی ایک صورت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ کبھی یہ " ثم" کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آیت میں ہے: ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فکسونا العظام لحما[31] اس آیت میں بھی لفظ فاء "ثم "کے معنی میں ہے یعنی تراخی موصوفات کو بیان کر رہا ہے۔لہٰذا حدیث پاک کے اس جملے میں بھی لفظ فاء ثم کے معنی میں ہوگا مطلب یہ ہے کہ یعنی جس شخص کا گھر جتنا مسجد سے دور ہوگا اسے اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا۔ "اس مقام پر مولانا سہارنپوری نے لفظ فاء کے مختلف معانی اور احتمالات کا تذکرہ کیا ہے اور ان احتمالات میں سے ایک کو متعین بھی کیا ہے جس سے قاری کے لیے معنی سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔مزید برآں لفظ " فا" کے ایک احتمال کی تائید میں قرآنی آیت کو بھی بطور استشہاد کے پیش کر دیا ہے۔

نتیجہ بحث

علم نحو کا شمار علومِ آلیہ میں ہوتا ہے، جس کی وجہ سے براہ راست اس کا تعلق قرآن و حدیث سے جاملتا ہے، کیونکہ یہی وہ علم ہے جس کے جاننے سے انسان قرآن و حدیث کی کماحقہ معرفت حاصل کر سکتا ہے کیونکہ قرآن و حدیث میں بہت سارے مقامات ایسے ہیں کہ اگر نحوی وجوہ ذہن میں نہ ہوں تو انسان صحیح مفہوم تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔دیگر شارحینِ حدیث کی طرح مولانا سہارنپوری نے بھی اپنی شرح میں حدیث کی تشریح کرتے ہوئے نحوی وجوہ سے استفادہ کیا ہے،اس سلسلے میں مختلف مناہج اپنائے ہیں ،اس حوالے سے قابل قدر بات یہ ہے کہ بسا اوقات نحوی وجہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآنی آیت سے بھی استدلال کیا ہے، اسی طرح کسی مقام پر مختلف توجیہات کا تذکرہ کرتے ہیں، تو کسی ایک کے راجح ہونے کی طرف بھی اشارہ کر دیتے ہیں،اس سلسلے میں بھی ان کے دو مناہج ہیں ،ایک تو یہ کہ آخر میں " قلّت" کہہ دیتے ہیں اور دوسرا یہ کہ اقوی یا انسب کہہ دیتے ہیں۔ کبھی کسی احتمال کو بیان کرنے کے بعد اس پر نحوی اشکال کرتے ہیں اور پھر جامع جواب دے کر قرآنی آیت سے دلیل بھی پیش کر دیتے ہیں،ایسے میں اگرچہ ظاہری الفاظ کے ساتھ ترجیح نہیں دیتے مگر طرز تحریر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس قول پر اشکال کرکے جواب دیے رہے ہیں ان کے نزدیک یہی اقوی اور انسب ہے۔اسی طرح جن احتمالات کا تذکرہ کرتے ہیں ان می سے ہر ایک احتمال کے اعتبار سے جو معنی بنتا ہے اسے بھی ذکر کر دیتے ہیں، جس سے قاری کے لیے حدیث کا مفہوم سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

---

[31] المومنون 23:14۔